

مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب

(ایک جائزہ)

از
علامہ پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی

ادارہ طلوعِ سرزدگاہ و خوشہ مرید، گولڑہ شریف، سیکٹر E11، اسلام آباد

تمام پڑھنے والوں سے عاجزانہ درخواست
ہے کہ میرے بچوں کی صحت اور تندرستی
کیلئے دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو
ہر مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا
فرمائے۔ آمین

نیاز مند۔ فاروق حسین گولڑوی

باسم تعالیٰ

معیار شرافتِ نسب ، یہ ہے
لوگوں میں فضیلت کا سبب ، یہ ہے
بس کہنے کی حد تک ہیں اللہ و رسول
اس دور کے انسان کا رب ، یہ ہے
(تیسرے)

ہر دور کے انسان پر مال و دولت کی مہمت غالب رہی، کسی دور کا انسان اس کی مہمت سے دامن نہ چھڑا سکا چنانچہ ہر مہم میں بڑے بڑے فتنے اور قتل و لہذا کے ہنگامے برپا ہوئے، قریبی رشتے لوگ، انسانی رشتہ اخوت منقطع ہوا، مذہبی منافرت پھیلی، مختلف مذاہب و مذہبوں میں آئے۔ دینی اور دنیا کے دوسرے مذہبوں میں شک و شبہ ہوئے، جو عجم غرور دیکھا کیا تو اس قسم کے تمام حالات کی اصل، دنیا کی لالچ اور مال و دولت کی مہمت قرار پائی۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک و خالق ہے، وہ اپنی ہر تخلیق کے حراج اور محاسب کا بخوبی علم رکھتا ہے، اس لیے اس نے انسان کے بارے میں اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا:

وَأَنَّا لَخَبِبْنَا الْقِدْرَ لِقَدْرِهِ كَمَ "انسان مال و دولت کی مہمت میں بہت ہکا ہے۔"

یعنی کچھ بھی کہنا یا بنانا بھروسے، مال کی مہمت اس کی سرشت سے نکل نہیں سکتی، مال کے حصول کے لیے انسان کیا کیا بھیس بدلے، دنیا دار دنیا داری کا لبادہ اوڑھ کر اور مذہبی لوگ مذہب و مذاہب کے مختلف لبادے اوڑھ کر اسے حاصل کرنے میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ شاہانِ وقت کی ہوس تک گیری بھی اسی حرص کا ایک رخ ہے۔

قرآن مجید میں حب دنیا اور حرص مال کے متعلق کثیر تعداد میں آیات و نصوص ملتے ہیں، جن میں دنیا اور اس کی حرص کو ایک خلیفہ عمل قرار دیا گیا۔ اور ساری دنیا اور اس کی دولت کو حمارِ غلیل سے تعبیر کیا گیا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ انسانوں کی اکثریت مال اور جمع مال کے دام میں گرفتار ہے، اس میں رنگ و نسل، علاقہ و زبان، مذہب اور طبقاتی اور لالچ کی کوئی تخصیص و تفریق نہیں۔ اس حرص دنیا اور حب مال کے دام سے وہ عالمی فطرت طبعات تک نکلے، خالق ارض و سماوات نے جن کے تقویٰ میں اول سے اپنی مہمت و ثابت الہی دی تھی۔ ان میں سر پرست انبیاء مرسلین اور پھر ان کے اسوہ حسنہ پر گامزن رہنے والے اولیاء و صالحین ہیں۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں سلیمان علیہ السلام کے لیے ارشاد ہوا:

فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ، اَکَرَّ (تکھا ضائع ہو گئی) "مال کی مہمت نے مجھے اپنے رب کے ذکر سے باز رکھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔"

یعنی میں نماز، صبر و وقت ادا نہ کر سکا۔ سلیمان علیہ السلام کے دل میں گھوڑوں کی مہمت بٹری نکالنے کے مطابق تھی، چنانچہ آپ ان کو دیکھنے میں مصروف رہے مگر جب نماز فوت ہو جانے کے غم نے عذت اختیار کی تو قرآن مجید نے اُسے ان الفاظ میں جان فرمایا:

وَلَوْ هَا غَلَبَتْ فَكَلَيْتَ مَسْحًا بِالْمُسْوِي وَالْأَخْلَاقِ سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ جن گھوڑوں کی مشغولیت نے مجھے ذکرِ رب سے روکا، انہیں دوبارہ فانی کیا جائے۔ مفسرین نے ان کی تعداد میں بڑا (20,000) لکھی ہے چنانچہ دوبارہ گھوڑے آپ کے سامنے لائے گئے۔ آپ نے ان کی گردنیں اور پاؤں کاٹ دیے۔ ثابت ہوا کہ اگر نبی کی فطرت میں حب دنیا داخل ہوتی تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے، مال و متاع کی ظاہری کشش نے بٹری نکالنے کی بنا پر ان کے دل میں تقویٰ و طہت ڈال دی، مگر ثابت الہی اللہ اور مہتمم و مہتمم و مہتمم کے فطری جذبہ صادق نے ان کے دل میں پیدا ہونے والی ماضی و طبیعت و دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ آپ نے گروڑوں، اریوں، روپے کی مالیت کے گھوڑے قتل کر دیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس منصوبہ و اللہ سے یہ حقیقت

واضح ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام میں بشریت بھی ہوتی ہے اور نورانیت بھی۔ اور یہ کہ ان کی نورانیت ان کی بشریت پر محیط غالب رہتی ہے۔ عباد صالحین یعنی وہ طبقہ جنہیں عرف میں اولیاء اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور چند صلاحت و رسالت پر قائم نہیں ہوتے، اس لیے ان میں انبیاء کی نسبت بشری نکاحے زیادہ اور غالب ہوتے ہیں، مگر زہد و کھلم، عبادت و ریاضت، خلاف نفس اور کفر سے ذکر کے سبب وہ اپنے اندر اس قدر نورانیت اور تربیتی الہیہ کی طاقت پیدا کر لیتے ہیں کہ ان کے بشری نکاحے مغلوب اور متبصر الٰہی ان پر غالب آجاتی ہے اور اس طرح وہ درجہ اول شہر کا مصداق بن جاتے ہیں۔

دل سے حیرت نظر کے دل کا رست کھل گیا

صاف آتا ہے نظر اب نوحے چاند بھی

دلیا کی محبت دل سے نکالنا عام انسانوں کے بس کی بات نہیں، کیوں کہ یہ ایسی بات ہے جس سے جان چھڑانے میں ہنگام خاص کو بھی سال ہا سال کی تھکن ریاضتوں اور کالچین کے لئے فنی محبت کے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ دل کے آئین کو ماسوی اللہ کی رحمت سے خالی کرنا پڑتا ہے، پہلے دل کو دیوان اور پھر اسے محبوب حقیقی کی یاد اور اس کے ذکر سے آباد کرنا پڑتا ہے۔ جہول را تم المرحوط۔

پہلے تھائی کی تاگن وقتی ہے بھول

پھر جا کر دل کے آئین میں مینہ گرا ہے

انجائی مشق و مشقت کے بعد ایسے انسانوں کے دل لا یُذْکِرُوا اللّٰہَ فَنُكَتِفُ الْقُلُوبِ کی طور پر گونجنے ہیں۔

عام انسانوں کی حرص اور دنیا سے ان کی محبت کے بارے میں قرآن مجید نے نیچے واضح اعزاز میں روشنی ڈالی ہے۔ جَعَلَ مَالًا وَ مَعْدَنَةً، مال کو جمع کرتا اور پھر اسے گنتا ہے، وَ حَسَبُ اَنْ تَالَهُ اَخْلَقَهُ، روپے گنتے کے بعد انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اب مال کی کثرت اسے مرے نہیں

دے گی بلکہ وہ بیٹھ کے لیے زعمہ روہے گا۔ ایک اور مقام پر انسان کی خورے حرص کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا: لَا تُكْفِرُوا بِالْاَيْمَنِ وَلَا تَخَافُوهُمْ عَلٰی حَقِّهِمُ الْبُشْكِيْنِ وَ تَأْكُلُوْنَ الشَّرَآئِثَ لَكُمْ لَنَا وَ تُؤْبِئُوْنَ النَّآلَ حُبًا جَبَنًا۔ ”غیر راد تم جیم کی عزت نہیں کرتے اور دھروال کو سوا گین کے کھانا کھلانے پر اسکا حق نہیں، اور دریافت کا مال با حق چٹ کر جاتے ہو اور مال و دولت سے یہ عزت متبت کرتے ہو۔“ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا: كَلَّا بَشَرٌ لِّجُودِیْنَ الْفَآجِلَةِ وَ تَذَرُوْنَ الْآخِرَةَ ”غیر راد! تم دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑنے والے ہو۔“ ان تمام آیات قرآنہ اور ان کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں جہاں دنیا سے انسان کی دلہانہ محبت کا ذکر آیا ہے ان کے مجموعی مطالعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ طبع غریب کو چھوڑ کر انسانوں کی اکثریت محض حرص دنیا کی پیشت میں ہے اور دنیا کے حصول کی خاطر انسان یکساں کر سکتا ہے۔

حضور علیہ السلام کی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے اپنی آفت کے بارے میں اس بات کی ہرگز فکر نہیں کہ وہ کسی ستارے، بت یا انسان کی پرستش کرے گی، بلکہ اگر اس بات کی ہے کہ وہ مال و دولت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کو کل کرے گی، مٹا دے یا کرے گی اور ایک دوسرے کا خون بہائے گی۔ قرآن و سنت کی روشنی میں انسان کی اس طوے ہوں اور دنیا پرستی کا اگر چشم انصاف تجویز کیا جائے تو آج کل کی دینی اور دہی تعلقات کی قس کل جاتی ہے۔ کون کس سے کتنا غص اور کون کس سے بے غرض تعلق رکھتا ہے یہ سب کچھ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ ایک دوست دوسرے دوست سے اپنے عہد اور دینی محبت کے بلند بانگ دعوے کرتا رہتا ہے، مگر یہ سب کچھ اس وقت تک ہوتا ہے، جب اسے دوسرے انسان سے بدستور فائدہ ملتا ہے۔ ایسے عالم میں اسے اپنے دوست کے عیب بھی بھر نظر آتے ہیں، ہر محفل میں ہر انسان کے سامنے اس کی تخریب میں زمین و آسمان کے قلاب لانے میں مصروف نظر آتا ہے۔ محبوب پر مطلق ہونے کے باوجود معاشرہ میں اسے بے عیب ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شہ و زوال اس کے ساتھ رہتا ہوں خدا گواہ میں نے اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں دیکھا لوگ جھوٹے ہوئے اور اس کی خدا داد عزت سے چلتے ہیں۔ میرا دوست تو

لاکھوں میں ایک ہے وہ عالمی انسانوں کے جملہ اوصاف و کمالات کا مالک ہے۔ عظمت اور بڑائی میں حاتم عالمی سے بھی چار گنا آگے ہے، علم و فضل میں رازی و خزانہ وقت ہے۔ نظم و سبکی دنیا میں جامی و سہری اور ملا مرزا قبل کی قابلیت کا حامل ہے، خطابت میں عرب کے مشہور خطیب حبان کی اصاحت و بلاغت اور ہاروینی کا امین ہے، کون سا فن ہے، کون سا علم ہے اور کون سی خوبی ہے جو میرے ظان دوست میں نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی حد سے دینی دوست اس کی امیدوں پر پورا اترنا ترک کر دے، مالی تعاون چھوڑ دے، دراپے رہی رہے گئے، اسی دوست کی دینی ضروریات کو پورا کرنے سے محروم کر دے، یا کچھ کہے بغیر دینے والے سے ہاتھ روک لے، اس پر سچے کر دینی ہر جگہ تحریروں کے پلے پاتے والا دوست اپنے اسی دوست کا کیا مشر کرتا ہے اور اس کی عزت کو کیسے کیسے بھڑے طریقوں سے خاک میں ملانے کے درپے ہوتا ہے۔ ہمارے لوگوں میں آہستہ آہستہ یہ کہنا شروع کر دے گا کہ میں کل تک اس کی تحریروں پر قریب ضرور کرتا تھا۔ صرف ایک دوست سمجھ کر مگر اس کے سارے عیب اور خامیاں میری نظر میں تھیں، بس دینی باری کے تحت اس کی خامیوں پر پردہ ڈالے رکھا۔ آج میں آپ سب پر حقیقت حال واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں پانچوں شرعی عیب موجود ہیں، انتہائی بدکار، چال بازی کی حد تک کجی، بلاہ گو، نظم و سبکی کہنا لکھنا اور رکار ان الفاظ کے معانی تک سے ناواقف، اول قول بچے دانا نام نہاد خطیب قرآن و سنت سے بے خبر، بد مزاج، بد اخلاق، جھگڑا اور بھڑا چال کی حد تک انسان نما جانور ہے۔ آپ نے غصوں کیا کچھ پہلے اس انسان کو مسخادات ملنے کے سبب ساتویں آسمان کی بلندی پر پہنچا دیا اور جب دیکھا کہ اب اس نے فائدہ و عائد ترک کر دیا، مادہ اس کے قابل نہیں رہا تو اسی انسان کو آغا قاتل ذلت کے گڑھوں میں کس بے دردی سے ڈھکیل دیا گیا۔ یہ ہے آج کل کی دینی اور باری کا آنکھوں دیکھا حال۔ رشتہ داروں کے رشتے ہوں، دوستوں کی دوستی ہو یا بیٹھک ڈھنگ یعنی عوامی رابطہ۔ ان سبہ میں مالی تعاون اور دوسرے کے لیے قربانی دینا، تعلقات کی بنیاد پر ایک قابل تحریف انسان کہلانے کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر دوستوں، رشتہ داروں اور عوام کو کسی قسم کا آپ

فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو آپ سب کچھ ہونے کے باوجود بھگتی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ انسان کا انسان سے یہ فرض معائنہ سلوک آج کا نہیں اور صرف عام انسان ہی سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی ہے اور اس کے رسولوں سے بھی۔ قرآن مجید سے اس کی بہت سی مثالیں بہ طور دعوت قرآن کی چاسکتی ہیں۔ مثلاً سورہ یونس میں جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے متحمل سرداروں کے لیے دعائے ضرر دیتے ہوئے بارگاہ الہی میں عرض کی تھی:

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَتْهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْخِلَافَةِ الشُّبْحَا، رَبَّنَا يُفْسِدُوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْذَرْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرْوُوا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ

موسیٰ نے کہا کہ ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی، شان و شوکت اور مال و دولت کی فراوانی عطا کی ہے کیا یہ سب کچھ انہیں اس لیے دیا تاکہ میری عقل کو میری طرف آنے سے روک لیں، اسے ہمارے رب ان سے ان کے مال اور شان و شوکت، عین لے اور ان کے دلوں میں اپنی نافرمانی کی صورت فرما دے، میری اور ان کے خطاب دیکھے بغیر تھہرا جائے ان کے والے نہیں ہیں۔

حضرت موسیٰ کی اس دعا و التجا کا مقصد یہ تھا کہ انسان فطری طور پر مال و دولت کا حریص واقع ہوا ہے، غریب اور غریبوں سے کوسوں دور بھاگتا ہے، ہمیں تہذیب کا منصب تو مگر وہ چیز نہیں دی گئی جس کی طرف انسان دوا کر جاتا ہے، یعنی دولت و دنیا۔ اسے اظہار آلے شان و شوکت ظاہری اور مال و حراج سے اپنے دین فرعون اور اس کے سرداروں کو لوڑا دیا، لوگ اوجھڑ جائیں گے یا ہماری بے سرو سامانی کی طرف آئیں گے۔

یہ لوگ نبوت کے فخر و امتیازی کے مرتبہ بلند سے نا آشنا ہیں، یہ روپے پیسے کی رہی بکلی پر جان دینے والے حریص اور پست ذہن لوگ ہیں۔ اب اگر کوئی اپنی ذات اور ہماری رسالت کو ان کے سامنے منوانا چاہے تو پھر فرعون اور اس کی قوم کے جملہ سرداروں سے ان کی یہ ساری شان و شوکت اور

مال و زر کی فراوانی مجھیں لے یہ سب کچھ مجھیں لینے کے بعد انہیں تو فتح و ترقی و ترقی و ترقی دے بلکہ ان کی ہی عافیتانی کے عالم میں ان پر اپنا مذاہب الہم بھیج کر یہ کم بخت کہیں۔ تیری وصا تیت اور ہم دونوں کی نیت کا اقرار کریں گے۔

اگر دوست و دغا کی چمک دکھ چشم انسان کو خیر و نہ کر سکتی تو چاہیے مومن جیسے اولوالعزم و طہر نے یہ طور خاص اللہ کی بارگاہ میں مذکورہ بالا دعائے ضرر کیوں کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر سے دافعہ کو اپنی آخری کتاب میں یہ طور خاص کیوں ذکر فرمایا بات اہم تھی تو اسے ذکر فرمایا۔

اسی طرح مشرکینا مکہ نے بہت کے لیے دعویٰ مال و حرام اور ظاہری جاہ و جلال کو معیار بناتے ہوئے کہا تھا:

وَقَالُوا قَاتِلْ هَذَا الزُّنُوفِ يُلْكُلُ الطُّغَمَاءُ وَ يَنْفُوسُ فِي الْأَشْوَاقِ يَكِيدُ رَسُولُ هِجْرٍ (ہماری طرح) کہاں کہاں اور ہزاروں میں پھرتا ہے۔ قَوْلًا نَزَلَ عَلَيْهِ تِلْكَ فَيَكُونُ تَمَنَّا نَذِيرًا أَوْ يَنْفُوسُ أَلْيُو تَنْزَرُ أَوْ تَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا زُجَلًا مُتَشَاوِرًا اس کے پاس کوئی لڑتے کیوں نہیں بھیجا جاتا تاکہ وہ بھی اس کے ساتھ لڑائے والا بن جاتا، یا اس کے پاس کوئی لڑنا نہ دی وال دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی بتا جس میں سے یہ کھاتا اور ان ظالموں نے کہا کہ تم تو ایسے آدمی کے پیچھے چل رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔

ان آیات میں بیان کردہ معلوم کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کے نزدیک عامیاندہی کی گزرا نے والا انسان منصبہ نبوت کا اہل نہیں ہو سکتا، ایسے انسان کو عام انسانوں کی طرح کھانا پی پینا اور ہزاروں سے سو ملاسلط بھی نہیں لانا چاہیے، اسے غزائوں کا مالک بھی ہونا چاہیے اور اس کے پاس ہاقات اور زرعی زمین بھی ہونا ضروری ہے۔

مشرکین کا یہ وہ عامیاندہی معیار تھا، جسے تقریباً ہر دور کے انسان نے اپنائے رکھا اور آج ہمارے دور کے انسانوں کا بھی یہی معیار ہے اور ہم بھی اپنے اس مضمون میں یہی ثابت کرنا

چاہتے ہیں کہ انسان کی صحیحہ انسان بہت کم قدر کی جاتی ہے، اس کی ظاہری شان و شوکت اور مال و دولت کی بنا پر اسے زیادہ عزت دی جاتی ہے۔

اگر ہم ان بیان کردہ مطالب کی روشنی میں مقام صحابہ کرام دیکھنا چاہیں تو ان کی عظمتیں کل کر ہمارے سامنے آ جاتی ہیں۔ جس رسول کی غربت و افلاس کو مشرکینا مکہ نے اس کے نبی ہونے پر یہ طور و جہت قرار کیا صحابہ کرام کے طبقہ حالیہ نے اسی رسول کے کچے جھروں کے سامنے اپنی آنکھیں بچھا دیں، اپنے گھر بار اور وطن کو خیر باد کہا، گھر کی سہولت کو چھوڑا، سیر حسی پر ہلک اور جاس کو ترجیح دی جو حیدر و سالت کی منزل تک پہنچنے کے لیے اس طویل راستے کی ہر دشواری اور سختی کو شہد و پیشانی سے قبول کیا، اپنے اس محبوب رسول کی ہر رحمت و جہاد پر صدائے لبیک بانگی، یہ وہ رسول تھے جن کے ہاں قیام و طعام کا کوئی بندوبست نہ تھا، بلکہ آپ خود بھی کئی کئی دن فقر و فاقہ میں بسر فرماتے تھے۔ یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے والے آخر صحابہ کرام نے اپنے ارادے پر عمل کر کے نہ بدلے اور اسی چمکتے چاند پر غیاز رکھ کر کہاں کہتے رہے۔

جہیں کو وہ پہنچے وہ دیکھ دیا جیسا کہہ کر

یہ جانے اور جہاں تک آجائے جانے

ان باتوں سے مقام صحابہ کرام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مگر اس کے لیے بھی انسان کا منصف حجاج اور صحیح اہل ضروری ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اہل بیت و عظام اور صحابہ کرام کا ادب و احترام پہنلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ممنوع نہیں، بلکہ ان کی منبت کو اللہ و رسول کی منبت و اطاعت پر ترجیح دینے والے، مالک حقیقی کو فراوانی کر دینا ہے دینی ہے۔ ترک و دنیا رہنا بہت ہے، جہاں اسلام میں رہا نہیں، یہاں نہ دینی کو اپنا تادیب آخرت کو ترجیح دینا، اللہ و رسول کے احکام کی اتنی التوجہ پائی کرنا، دعویٰ امور سر انجام دینے کے باوجود اپنے خالق کی یاد سے دل کو آہاں رکھنا، اہل ایمان کا شہد ہے۔

ذکر دنیا سے دنیا کو ترک نہیں کیا جاسکا، بلکہ بعض دنیا کے معاملات میں مشغول رہتے ہوئے باوجود غافل سے وابستہ رہے، اس کو صوفیاء دنیا داروں میں شامل نہیں کرتے۔ کیوں کہ وہ یاد حق سے غافل نہیں، اخیر مرحوم نے اس سلسلے میں خوب کہا تھا۔

اے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھتے

غدا سے جو کرے غافل اے دنیا سمجھتے ہیں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا کو اللہ نے ہمارے لیے پیدا فرمایا نہ کہ ہمیں دنیا کے لیے پیدا کیا۔ دنیا کی طلب میں اس قدر محو ہو جانا بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ انسان صحت اور آخرت کو بھول ہی جائے۔ قرآن مجید نے مال و اقدار کے حوالے سے قوم عاد و ثمود کا یہ طور خاص اسی لیے ذکر فرمایا تاکہ ان کے بعد آنے والے انسانوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آج اگر تم مال و اقدار پر اترا رہے ہو تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، ہم نے تم سے پہلی اقوام کو سلطنت، اقدار اور مال کا لالچ دیا ہے، جو تم سے بہت آگے تھے۔ تم ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ مگر جب انہوں نے یہ احمقیاں دکھائیں، اس لیے خدا پر غم کا دروازہ کھولا، اور پھر زمین میں اپنی گزروں بٹھری، ہمیں اور ہمارے رسولوں کے پیغامات کو چھڑایا۔ مال و اقدار کو داغی سمجھا، صحت کو بھلادیا، ہماری گرفت سے بے خوف ہوئے، زمین میں ہر طرح کا فساد پھیلانے لگے، ملک گیری کی ہوس میں بے گناہ حقوق کا قتل عام کرنے لگے تو پھر لُحْطَبُ عَلَيْهِمْ زَيْتُكَ تَسْوِطُ عَذَابِهِ۔ جس سبب نے ان پر عذاب کے کوڑے برسائے۔ اور ان کا نام سطحی معنی سے دیا کر دیا۔

نمود نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت کو بھی دھاری دہاری تعالیٰ سے بھی انکار کر دیا اور خود کو رب کہلا کر رہا۔ اسی پر جا کر تاربا اس کی بنیادی وجہ بات میں سے ایک اہم وجہ اس کا دقت اندہ اور صاحب اقدار ہونا تھا اگر اس کے تابع میں دولت و اقدار کا جن نہ ہوتا تو شاید وہ عاجز و ادھوا کی جگہ کی جاسکتا بھی نہ کرتا۔ خود قرآن مجید نے اس کے اس لئے جو بھری فراموشی ہوئے فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلٰى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهیمَ فِیْ ذَیْقَہٗ اَنۡ اٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ۔ ”کیا تو نے نہیں دیکھا

جو سلطنت چاہتا تھا، ہم علیہ السلام سے اس کے سبب کے بارے میں پوچھ رہا تھا، یہی سلطنت اور دولت اس کے خدائی وحی کا سبب بنی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے غرور اور خدائی دعوے اس طرح توڑے کہ اسے ایک پھر کے ہاتھوں جلا دیا اور کرا دی۔

سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے لیے اِنِّیْ فِرْعَوْنٌ عَلٰی فِی الْاَرْضِ کے الفاظ استعمال فرمائے کہ فرعون نے جنتیہ زمین میں اپنی گردن اکڑائی یا اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ لوگوں کو دودھ گروہوں میں تقسیم کیا، ایک گروہ کو سواغی اقدار سے آسودہ اور طاقت ور بنایا اور دوسرے گروہ کو کمزور اور مظلوم الحال کر دیا پھر فرمایا: اِنَّہٗ لَخَآئِنٌ مِّنَ النَّٰفِثِیْنَ کہ جنتیہ فرعون مسلمانوں کے سامنے اس قوم سے ایک انسان کو تختہ پر لٹا دیتے فرعون نے ہر قسم سے کمزور اور ضعیف کر دیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہوا: وَنُرِیدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلٰی الَّذِیْنَ اَسْتَفْضَوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلْہُمْ اٰیٰتٍ وَنَجْعَلْہُمْ الْوَاوِیْقِیْنَ اور ہم نے ارادہ کیا کہ جن کو زمین میں کمزور کر دیا گیا، ان میں سے رہنما بنائیں اور انہی میں سے زمین کے وارث بنائیں (صرف وارث اور رہنما ہی نہ بنائیں بلکہ) وَنَجْعَلْ لَّہُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُہِیْ فِرْعَوْنَ وَہٰٓاُنَّ وَجَسَدٌ لِّہُمْ مِّنْہُمْ تَاٰخِنًا وَیَسْخَرُوْنَ اَیْنَہُمْ زَمِیْنًا مِّنْہُمْ اِذَا رَآوْا اٰیٰتِہٖ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ اور ان کے ہمسواؤں کو دودھ مانا کر دکھائیں جنہیں وہ یکتا پر گزیرداشت نہیں کرتے تھے۔

ان آیات مبارکہ سے مسلم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاقت و طاقتی کوئی چیز نہیں، وہ طاقت کو طاقتی اور نا طاقتی کو طاقت میں بدلنے پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ اور یہ کہ جب وہ چاہے تو ایک بے طاقت انسان کو دنیا کے عظیم طاقت ور سے مقابلے میں لاکھڑا کر سکتا ہے اور پھر اس کی طاقت کو ایک بے طاقت انسان کی بے طاقتی کے ہاتھوں روک کر رکھ دیتا ہے۔ کمزور کو طاقت ور بنانا اور طاقت ور کو غش و ناشاک کی طرح بے طاقت کر دینا اس کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، سینہ سامونی کمزور گروہ میں سے تھے، اللہ تعالیٰ انہیں نبوت کی طاقت سے سرفراز فرما کر فرعون کی طاقتی طاقت

کے سامنے لے آیا۔ اور پھر فرعون کو وہ مناظر دکھائے جو وہ کسی طرح بھی دیکھنے کے حق میں نہ تھا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کا اقتدار۔ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے کسی مخالف کا اقتدار اور عزت نہ دیکھنا چاہتا ہو اور اسے وہ سب کچھ بادل یا خواست دیکھنا پڑے تو اس کے لیے یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک عذاب کی صورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ انسان کے لیے اس سے بڑا کوئی عذاب نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مخالف کو جس بہتر حالت میں نہ دیکھنا چاہتا ہو، اسے دیکھنا پڑے۔ فرعون نے تو اپنی طاقت صرف کر کے موسیٰ علیہ السلام کو ہر اعتبار سے کمزور و ضعیف کر دیا تھا، اب اس کو یقین تھا کہ میری طاقت نے موسیٰ کے گرد کوئی بری طرح سے کھل دیا کہ وہ میرے سر اٹھا نہیں سکے گا۔ مگر اللہ نے یہ تباہی پاکرم جس دولت و اقتدار پر سمجھ کر ہے جو وہ میرے اشارہ قدرت کے کلام ہیں، جس جس سے مجھیں کرخصہ سے دوں یہ میری مرضی ہے۔ اگر میں یا قَاتِرُ حُفْنٰی ہزدا و مُلّا ماً عَلٰی اَنْزِ اٰہِنِمْ کہہ کر آگ کی فطری صفت کو برصورت میں بدل سکتا ہوں تو تمہاری طاقت کو تا طاقی میں تبدیل کیوں نہیں کر سکتا۔ چنانچہ موسیٰ اور فرعون کے اس واقعہ سے چند چلا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہاں و درخت اور اقتدار دنیا کی کوئی حیثیت نہیں، جب تک ان سے کسی کو سرفراز نہ کرنا چاہے یہ اس کی مرضی نہ چاہے تو کسی کا اقتدار اور ہاں و دولت کسی بھی وقت کسی سے بھی جھین کر کسی کو بھی دے سکتا ہے اور یہ قدرت کاملہ اسی کا خاصہ ہے، جو اس پوری کائنات کا محض اور حقدار ہوتی ہے۔ جس کو دینا چاہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس پر روک دے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰہُ لِنٰدِیْہِمْ مِنْ رُحْمٰہِ فَلَا یُفْسِدُ لَہَا وَنَا یُفْسِدُ فَلَا یُزِیْلُ لَہِ مِنْ بَعْدِہِ کِی اُتٰہِ کریم۔

ہمارے اس دعویٰ پر شاہد مطلق ہے۔ دنیا کی دولت اور اقتدار کی دعا اس نیت کے ساتھ ممنوع نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا اجرا کیا جائے گا، اس کی وسعت اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایت کو ملک کے اندر نافذ کیا جائے گا۔ اگر یہ عمل ممنوع ہوتا تو حضرت سلیمانؑ پر ان کا وبالیہ میں حلائے سلطنت کی دعا ان الفاظ میں نہ کرتے۔

وَيَقْبَلُ لِي مُلْكًا لَا يَنْقُصِي لَا خَدَّ مِنْ بَعْدِي اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ ”اے میرے مالک،

مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو منتر نہ آ سکے یعنی تو ہی عطا کر لے والا ہے۔“ اس دعا سے دل میں یہ دم نہید اور محاذ اللہ و طبرہ کی عام لوگوں کی طرح دنیا کے حریس ہوتے ہیں۔ بلکہ اس دعا کا مقصد یہ تھا کہ ترے عطا کردہ اقتدار اور دولت کو تیرے دین کی تبلیغ کے لیے صرف کروں گا کیوں کہ اسکی مصدق میں اشاعت و تبلیغ کے لیے مشکلات بہت کم ہوتی ہیں، منصب نبوت خود ایک ایسی عظیم دولت ہے کہ دنیا کے یہ عارضی اقتدار اور مالداری اس کے سامنے خاک کے برابر بھی نہیں۔ لیکن اگر ایک نبی کو صاحب نبوت کے ساتھ اقتدار اور دنیا اور دولت و شہرت ظاہری بھی حاصل ہو جائے تو یہ سونے پہ ہانکے کا کام کرتی ہے۔ چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے چند چلا ہے کہ جس نبی اور جس صالح انسان کو اللہ تعالیٰ نے روحانی مقام کے ساتھ اقتدار ظاہری عطا فرمایا اور ہاں و دولت کی فراہمی سے بھی نوازا تو انہوں نے تانیرہ ایج دی انسانی معاشرہ کو امن و آسائشی کا گہوارہ بنانے کے ساتھ اسے اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند اور قائل بھی کیا۔ معلوم ہوا کہ جو دل اللہ کی یاد سے آباد ہو وہاں دولت کی محبت اسے برداشت نہیں کر سکتی ہے اور شاپے دام میں پھنسا سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام و اہل بیت کا مقام تو بہت بلند ہے۔ نعت کے صالحین کے محبوب بھی اس کی محبت سے پاک ہو جاتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے ہذا محمد حضرت بابائی تھراوہ و ساکین میں خطیر رقم تقسیم کر رہے تھے۔ نظام نے وہاں کی قبیلوں کے سرداروں پر انعام بھی نہیں۔ تقسیم کے دوران اپنے ایک خاص خادم سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے یہ دیکھو میرے ہاتھ روپے تقسیم کرنے کے سبب کالے ہو گئے یعنی ان پر روپوں کی سیل چڑھی۔ جس طرح ہاتھ ان سے سینے اور کالے ہو جاتے ہیں اگر انسان ان کی محبت دل میں ڈال لے تو اس کا دل بھی انھوں کی طرح میلاد اور کالا ہو جاتا ہے، لہذا دولت سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی حد تک واسطہ رکھنا چاہئے اگر اس سے محبت کی جائے لگے تو انسان کا دل حب دنیا کے سبب میلاد ہو جاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ان کی اس عظمی بات میں کتنا عظیم درس پوشیدہ ہے۔ صوفیائے اپنے بعض اشعار میں دولت دنیا سے محبت کرنے کی شدت مذمت فرمائی ہے،

ایک صوفی کے شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ غریب انسان مرتے وقت بآسانی مر جاتا ہے، کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ میں نے کچھ چھوڑا نہیں، جس کا مجھے غم ہو۔ مگر ایک امیر انسان کے لیے مرنا دشوار ہو جاتا ہے، وہ موت کی سختی سے کم اور دولت چھوڑنے کے غم میں زیادہ جلا ہوتا ہے۔ گویا وہ اس طرح دوہرے غم کا شکار ہوتا ہے۔ شیخ سعدی نے اپنے ایک مصرع میں سختی جانتی بات کہ دی ہے ع

آہاں کہ غمی زائد بر غم ترا

وہ لوگ جو زیادہ مالدار ہیں، محام کی نسبت وہ ہر بات میں زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ جو خوش نصیب فقر و محرومی کی دولت سے مالا مال ہوں، کچھ نہ ہونے پر بھی وہ محتاجے نفس کے مالک ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **الغنى غنى النفس** "فقر کی خیر اصل فتنہ ہے" انسان اگر بے پروا و سامان ہوتے ہوئے بھی مستغنی رہے تو وہ مطمئن نہیں بلکہ غمی ہے۔ محتاج کام چاہی بیحد محتاج اور دلایا ہے اسے اسی فقر کے وارث تھے۔ چاہا فقر ضرور تھا کہ اس کے اقل اس پر قصور و کمزوری کی شہنشاہی رکھ کر تھی۔ فاروقی اعظم اپنے سر کے نیچے لٹکا رکھا کہ اگر آواز نہ آئے تھے تو تم مہتاب کے ستر کے بجائے پر بار پڑ پڑتے تھے، مگر مصعب کا یہ عالم تھا کہ بڑی بڑی سطوتوں کے مالک ان کے نام سے کاپ اٹھتے تھے۔ یہ وہی فقر تھا، جو آپ کو سرکارِ خدی مرتبت کی بارگاہ سے حاصل ہوا تھا۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں چاہا اسی فقر کی تعریف کی اور اسے خودی کے طور سے تعبیر کیا گویا خودی سے جو حقیقت خود آئینا ہے، اس فقر کے سوتے چھوٹتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اپنی ذات کا حرقان ہی خودی اور فقر کی اساس ہے۔

قرآن مجید میں دنیا اور اس کی حیات کو اور غیب سے تعبیر کیا گیا، مگر انسان اور امور سے کام لے کر حقیقت میں دنیا اور اس کی زندگی اس کے لیے اور غیب، نعمت و فخر اور مال و دولت میں جذبہ بخل کے سوا کچھ نہیں، ظاہر ہے کہ دنیا انسان کے نزدیک اور غیب اور عزت و کثرت ایک تماشے کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتے، تماشے کو نادان انسان تو شاید حقیقت کچھ ٹھٹھے مگر نادان اور علم و فہم رکھنے والا تھا جسے کو تماشا ہی کہتے ہیں۔ اسی لیے بخیر و بد ہوتی ہے، جو صوفیاء نے ان کے مالک تھے، دنیا کو ایک تماشا خانے

سے تعبیر کرتے ہوئے کیا غیب شعر کہا تھا۔

جو تماشا نظر آیا اسے دکھا سجھا جب کبھی آگئی، دنیا کو تماشا سجھا
ایسی طہیم کو غالب مرحوم نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا۔
باز سچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

مردانہ خدا کے نزدیک دنیا کے سارے سامان اور مال و دولت پر اترانے اور خوش ہونے والے مظاہر حراج کے مالک ہیں، اگر ان کا ذہن چلتا تو دنیا اور اس کے اسباب سے کبھی دل نہ لگاتے۔ سلطان اور مسلمین حضرت ابو سعید خدریؓ نے کیا غیب رہائی فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

مردانہ خدا میل پہ ہستی نہ کند
خود بینی و غریب بینی نہ کند
آہا کہ بجز ان حق سے تو شد
فخاد حق کس نہ مستی نہ کند
راقم المعروف نے آپ کی منہ بجا بارگاہی کا اردو قلم میں یوں ترجمہ کیا۔
مردانہ خدا دھبہ ہستی نہیں کرتے
یہ لوگ کبھی نفس پرستی نہیں کرتے
پتے ہیں جہاں اہل مٹا ہوا عرفان
معاذ بھی نی جاتیں تو مستی نہیں کرتے

حس دنیا اور محبت مال دنیا ناموں کے دل سخت کر دیتی ہے، اہل داساک کا رنگ ان کے آئینہ دل کو سیاہ کر دیتا ہے، حاجت مند کی احتیاج سے وہ خفا نہیں ہوتے، جب تک انقلاب زمانہ ان کو بکثرت واقعات سے دوچار نہ کرے اور وہ پیش و محضرت کی زندگی سے محروم ہو کر غنی سادگی کے مناظر نہ دیکھیں۔ مرزا محمد اقبالؒ نے یہی کہ ایک طہیم صوفی شاعر ہونے کے ساتھ درد مند دل کے

مالک بھی تھے، اپنے ایک شعر میں اس مہوم کو مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔

ہے مصیبت گر بہر طبع در صفت سود نیست سنگ در آتش گلن تا آتش آسماں بکشد
کسی سخت طبیعت انسان کے سامنے زار و مار نہ ہوگا کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا، تاہم اس کو وہ خود کسی
مصیبت میں گرفتار نہ ہو۔ یعنی اس سخت دل انسان پر جب تک مصیبت و آفت نہیں آتی گی، اس
کے سامنے تیری گریہ و زاری بے فائدہ رہے گی، ہاں اگر اس کی اپنی ذات پر کوئی آفت یا کھانا
آپنی تو بھر میری طرح اس پر اثر کر سکتی ہے۔

بہل اپنے اس دماغ کو ایک ایسی مثال دے کر سمجھاتے ہیں، جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے
اور محسوس کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دیکھو کسی شخص پر بھڑکنا پانی ڈالنے یا ڈاس پر کوئی اثر نہیں
ڈالنے کا بلکہ فتنہ کا سلسلہ کے مطابق اور خواہ مخواہ شیرازی کے معرکہ "برسنگ خار" قطرہ ہاں
اثر نہ کرے، کتنے وقت پانی بہہ کر گل جائے گا اور وہ پھر اپنی فطرتی جتنی کہ سبب اپنے اندر پانی کا زور و ہمارا اثر
نہیں لے گا، مگر جب اسی بھڑکنا آگ میں ڈال دو تو آگ کی مصیبت اس کی اس فطری جتنی کہ
خاک بنادے گی، اس مرحلے سے گزرنے کے بعد جب تم اس پر دھوپانی ڈالو گے جو پہلے اس پر اثر
نہیں کرتا تھا، اب وہی سخت بھڑکنا آگ میں پڑنے کی مصیبت سے گزر چکا ہے اور اندر سے لوٹ
چکا ہے تو پانی کو اپنے اندر جذب کرنے لگے گا اور اس کے نتیجے میں لوٹ جائے گا چونکہ ہاتھ کی
مٹھلیں میں بھڑکنا چلا جاتا ہے، جب آگ بھڑکی خاموشی کو جلا کر مٹی بنا دیتی ہے تو وہ بھڑکنا نہیں
بلکہ چند دن جاتا ہے اور اس پر پانی ڈالنے سے بھاپ نکلتی ہے کیوں کہ اس کا اندر جلا ہوا ہوتا ہے
اس لیے تھوڑا سا پانی بھی اس کو زور دیتا ہے۔ اس مثال سے سمجھ میں آیا کہ جس طرح بھڑکے کو زور دینے
کے لیے اس کا آگ میں ڈالنا ضروری ہے تا کہ اس کی فطری جتنی میں تبدیلی واقع ہو اور وہ کسی دوسری
ستار چیز کا اثر قبول کرے، اسی طرح حوس دینا کے ہاتھوں سخت دل انسان کا مصیبت میں گرفتار ہونا
ضروری ہوتا ہے، جب کسی ناگہانی آفت کے سبب اس کا اندر ٹوٹنے کا تو کسی بھی حاجت و مصد کے
آئسواں کے دل پر ہم پر گہرا اثر چھوڑ سکیں گے، اور نہ مصیبت پڑنے کے بغیر دنیا دار انسان کا دل جتنی

میں اس بھڑکی طرح سمجھو، جو ابھی آگ کی بھڑکی کے امتحان سے بچا ہوا ہے۔ یہ دل کی اس
خصوصیت مثال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آفات کا نزول قلب انسانی کو مس کرنے کے لیے ترقیاتی کا
کام دیتا ہے اور یہ کہ دنیا داروں کی نسبت اللہ والوں کے قلوب، قدرت کے امتحانات و آفات کی
آماجگاہ ہوتے ہیں۔ اس لیے اہل معرفت کے دل دنیا داروں کی نسبت ذہنی انسانیت کے لیے
لہجے نرم اور درود ہوتے ہیں۔

روایات میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شہاب الدین سرودہی کے پاس ایک شخص آیا اور اپنے
حالات کی تقریری پر زار و تظارا دینے لگا، کچھ دیر بعد حضرت شہاب الدین دہلے لگے اور وہ جھٹنے لگا۔
بعد میں تو کہیں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس آدمی نے کہا کہ میں حالات کی جھگی کے
ہاتھوں اپنے سر کے سامنے نہ دیکھا، جب میں نے دیکھا کہ میرا دنا دیکھ کر میرا سر دہلے لگ گیا اور
اس نے میرے تمام اچھے سر لے لیے تو بے رحمی سے کیا فائدہ۔ سو جانے، میرے غم جا میں
اور ہی کا اللہ جانے۔

حضرت شہاب الدین نے اس آنے والے کے غم کو کیوں اپنا غم سمجھا اور اس کے رونے سے
اس قدر متاثر کیوں ہوئے کہ خود رونے لگے۔ اس کی وجہ تو یہ تھی، دنیا داروں سے بے نیازی،
خلق خدا سے ہمدردی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے امتحانات، آفات اور بہتات کے سبب
دل کی دوسری اور وہ گہرا تھا، جو اللہ کا متحول قلب ایک طویل عرصہ تک ان صبر آزمایوں سے گزر کر
حاصل کرتا ہے اور آخر جتنائی کے درجہ ذیل شعر کا اندازہ لگاتے ہوئے کہ سامنے آتا ہے۔

بھڑ چلے کسی پہ نہ چپے ہیں ہم اتھر

سارے جہاں کا درد ہمارے بھر میں ہے

صوفیاء کی درد مندی، آواز داری، جھنجھکی، خشیت علی الحق اور غریب لواری کے دیگر سبب میں
سے ایک سب سے بڑا سبب یہ بھی ہے کہ گاہر مطلق نے انہیں مختلف ذرائع سے درد مندی دل کی
دولت عطا فرمائی، ان کا وہ حال، آہ و بکا، اٹک باری، و دنیا سے بے رغبتی، فقر آزمائی اسی داخل گلن

اور دوسروں کے مختار ہیں۔ بلاشبہ انسان کے لیے یہ ساری چیزیں خالق کا ایک جہی مصلحت ہیں۔
صوفیائے کرام کے سلسلے میں اکثر یہ چھاپا جاتا ہے کہ یہ طبقہ عوام کے احساسات کے نزدیک قرب کیوں
ہوتا ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ عوام چوں کہ مختلف مصائب و مشاوت کی زد میں رہنے کے باعث
اکثر ممکن اور پریشان رہتے ہیں اور صوفیاء دوسروں کی دولت سے پیچھے بنی مالا مال ہوتے ہیں اس
لیے عوام کے دوسروں میں شریک ہوتے ہیں۔ انچھ عوام کا رنج قرار پاتا ہے۔ تعمیری میثاق پستی نے
اسے ایک شعر میں ایک دوسرے انسان کے دوسرے دوسرے انسان سے قلمی رابطہ اور قرب کو ایک
مثال سے کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

محبت با دلی ثم وجہ المصطفیٰ بشر مکرور

چماکے راکھ دوسرے دوست در در دور مکرور

فہمکن دل انسان کے ساتھ ایک دوسرے انسان کا سلمان قدرتی امر ہے۔ یعنی وہ اس سے جدا
مانوس ہو جاتا ہے ایسا چرچ جس کی فنی میں پیچھے سے حواس موجود ہو، دو آگ کو فتنہ بکارتا ہے۔
اسی طرح ایک فہمکن دوسرے فہمکن سے پیش پند لوگوں کی نسبت زیادہ مانوس ہوتا ہے، کیوں کہ
کئی عوام دونوں میں قدر مشترک کے طور پر موجود ہوتی ہے جس طرح وہ چرچ جو آزاد ہوتا ہے
اور اس میں حواس ابھی موجود ہو دوسرے چرچوں کی نسبت آگ سے زیادہ قرب اور اس سے
زیادہ مانوس ہوتا ہے، اسے آگ کا ہلکا سا اشارہ بھی جلاتے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ تعمیری کی اسی
خواہش اور عام قرب میں آنے والی مثال نے ایک دوسرے کے دوسرے انسان سے
مانوس ہونے کا حسن قبول دیا اور ہمیں سمجھا دیا کہ وہ دل جن میں دولت و دوسرے موجود ہوتی ہے وہ
ذہنی انسانیت کا درجہ ہٹنے اور ان کے علم میں شریک ہونے کا پختہ ہونے کا شکیں خیال کرتے ہیں۔ یہی
وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متبعین اور نیکو گان خاص و عام میں سرمایہ دہلی اور اسیران حرص و ہوا کی
نسبت اہل در و فقر و مساکین کو سر آگلوں پر جگہ دیتے ہیں (اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہی فرمایا
ہے کہ اگر تم حقیقت حال سے باخبر ہو تو زیادہ دینا اور کم دینا کہو اس آیت میں چنے پر دینے کو ترجیح

دی گئی) حضور سید عالم ﷺ نے بھی اور شاہ فرمایا کہ جو محتاق میں دیکھتا اور جانتا ہوں اگر تم بھی
چاہتے تو زیادہ دیتے اور کم ہتے۔ اسی لیے خود حضور ﷺ بھی اکثر معلوم نظر آتے تو اس سے معلوم
ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اہل نشاط سے اہل فم کا مرتبہ زیادہ ہے۔ اسی بنا پر ایسا عظیم انسان
اور ان کے متبعین جن میں صحابہ کرام، اہل بیت، نور قیامت تک آنے والے اولیاء و صالحین شامل ہیں، نے
اہل دولت و ثروت کے بجائے مسکوک اہل فراہ و فقر و مساکین اور دوسروں کے دے انسان کو
اپنا قرب عطا فرمایا اور ان کی قدر افزائی فرمائی۔ سیدنا ابو حریرہ، حضرت بلال، حضرت مسیب،
حضرت ابوذر غفاری، حضرت حبشہ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سلمان اور دیگر فخرے
مہاجرین کے بارے میں حضور سید عالم ﷺ نے جو فضیلت کے الفاظ فرمائے اور آپ جس قدر
ان حضرات کو کترم و سزا کھتے تھے، وہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔ وہ اہل سنت و سیرت میں آتا ہے کہ ایک دن
حضور ﷺ کی مجلس میں قمرائے منین، مسیب، بلال، عمار، سلمان لاری اور غلاب بیٹے ہوئے
تھے اسے میں قریش کے سردار آگئے، جب انہوں نے ان سب کو آپ کی مجلس میں بیٹھے دیکھا تو
حضور سے کہنے لگے کہ اگر آپ ان کھیا لوگوں کو جنہوں نے میلا اور کم تر ہاں چہا ہوا ہے اپنی مجلس
سے اخراج دی تو ہم آپ کی مجلس میں بیٹھیں گے اور آپ سے بات بھی کریں گے۔ حضور ﷺ نے
جوا فرمایا کہ میں ایمان والوں کا ہے پاس سے اٹھانے کے حق میں نہیں انہوں نے کہا کہ ہر کم ہاکم
ان کو اس وقت اپنی مجلس سے اخراج کیا کریں، جب ہم آپ کے پاس آنا چاہیں، تاکہ عرب پر ہادی
فضیلت واضح ہو سکے، کیوں کہ عرب کے خود آپ کے پاس آتے ہیں تو (معاذ اللہ) ایسے کھیا
لوگوں کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھ کر آپ کے پاس آنے سے ہار محسوس کرتے ہیں، جب ہم آپ کی
مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں تو اس کے بعد، اگر ان لوگوں کو آپ اپنے پاس بیٹھا چاہیں تو بیٹھا
کریں۔ ان کی باتیں سن کر حضور ﷺ کدل میں ارادہ ہوا کہ آپ ایسا کر لیا کریں ہو سکتا ہے کہ
آپ کے اس عمل سے آنے والے مشرکین ایمان لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل
فرمائی ولا تطرد الذین یدعون دینہم بل قد افادوا العشی یریدون وجہہ ”آپ ان

لوگوں کو اپنے پاس سے ڈورت کریں۔ عبادات و ان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور محض اس کی ذات کو
لاش نظر رکھتے ہیں۔" صاحب مدعا الہیان اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تفسیر پر
انفیہ کو اعلیٰ خاندان والوں کو گھٹیا خاندان والوں پر ترجیح دیتے ہیں کہ پندہ نہیں فرماتا کیوں کہ اس کا
طریقہ یہی ہے کہ جس پر اس نے اپنے دین کو اتارا ہے وہی کے حالات اور ان کی طبیعتی حاجت و بیماری
اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

علامہ اسماعیل حنفی مصری، اپنی تفسیر مدعا الہیان میں ایک مقام پر ایک روایت نقل کرتے ہوئے
لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے گرد غریب ترین صحابہ جمع تھے جن میں حضرت
مصعب روٹی، عمار بن یاسر، حضرت بلال اور حضرت خطابؓ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کی کون
سی نعمت ہے، ہر اللہ نے مجھے نہیں دی، اور وہ کون سی نعمت ہے جس کے قتل ہوئے میری پریشاک پر
نہیں کاڑھے گا۔ کون سی نعمت تھی، جو مجھے نہیں دی گئی، کون سے اعلیٰ صاحب ہیں جن
سے مجھے سرفراز نہیں کیا گیا، بخدا اگر مجھے دو چرواہوں میں حقیر بنا دیا جائے کہ تم ان تمام نعمتوں، حوروں
اور کائنات کے اقتدار و شوکت کو پندہ کر دے گا ان فقراء سے ہر چیز کے ساتھ بیٹھے کو ترجیح دے گا۔
تو اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے بعد قدرت میں میری جان ہے، میں یہی چاہتا ہوں کہ غریب
اور مفلس صحابہ، مہاجرین کے ساتھ بیٹھے اور ان سے اپنے مالک کی باتیں کرنے اور اس کی حمد و ثنا
جان کرنے کو ترجیح دوں گا۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اسماعیل حنفی نے درج ذیل شعر کی نقل کیا۔

آسمان چھو کھنڈ چلی زمین کہ بر او

یک دو کسی یک دو جس بحر خدا چھو

کہ جس زمین پر ایک دو آدمی ایک دو مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے ذکر کے لیے
منہ جاتے ہیں تو آسمان اپنی اس رحمت کے اور جو اس زمین کو بھر دیتا ہے۔

ان روایات کو پندہ کہ معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کا معمول اور آپ کی سنت مبارک تھی کہ
آپ اہل دنیا پر فقراء و مساکین کو بیٹھ کر ترجیح دیا کرتے تھے دیکھتے تھے فقرائے جن کے دل اللہ کی یاد سے آباد

تھے اور جو آٹھے بیٹھے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کبریائی اور اس کی محبت سے اپنے گناہ غائب و دل
کو معذور کیے ہوئے تھے اگر بالخصوص آج کا مسلمان اپنے آقا و مولیٰ کے اس طرز و حدت اور اس کا
حزینہ کو سامنے رکھے تو اس کا دل ہوسہ دیا اور شیخ مال سے آزاد ہو سکتا ہے۔ ایک آیت جو مبارک کی تفسیر
کے تحت صاحب مدعا الہیان تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وہی کی،
جس میں دنیا کو رد کر دیا اور اس کے طلب کرنے والوں اور اس پر بھیچنے والوں کو کتوں سے مثال دے
کر آپ علیہ السلام کو اس سے نیچے کی تائید کی۔ یہ اسلوب متنازعہ نہیں؟

(مدعا الہیان، جلد اول، ص 688، مطبوعہ مصر)

اگرچہ انھوں نے یہ مسلمانوں کی دعوت و مقررہ مقصد اللہ تعالیٰ دیا کی ہوس سے پاک ہوتی ہیں مگر یہاں
اللہ نے ان کو اس کی تعلیم کے لیے اور دنیا کی ہوس سے انھیں لڑتے دلانے کے لیے اپنے ایک
اولاد اعظم اور جلیل القدر و شہیر کو خطاب فرمایا تاکہ تمام کو جو دنیا کی لذت کا اندازہ ہو جائے کہ اگر
ایک غنیمت کو خطاب کیا جا سکتا ہے تو ہم لوگ کس کمیت کی حوصلی ہیں۔ لہذا ہمیں دینی سے زیادہ اللہ کے
ذکر اور آخرت کا لالچہ رکھنا چاہیے اور ان فقراء و مساکین اور صالحین سے رابطہ رکھنا اور ان کو معذور سمجھنا
چاہیے کہ جو دنیاوی مال و دولت اور شان و شوکت سے تو محروم ہیں، لیکن ان کے دل اللہ کی یاد سے
آباد ہیں اور وہ ایسے ہیں اننا زلوا اذکر اللہ کہ جب ان کے پھرے کو دیکھ جائے تو اللہ یاد
آجائے۔ بلاشبہ ایسے لوگ ہی فقر غمی کے وارث ہوتے ہیں اور قرآن مجید اور حدیث کی زبان
میں انہی کا دلایا اللہ اور صالحین پر است کہا جاتا ہے۔

انسان مذکورہ تمام حقائق سے آشنا ہونے کے باوجود آج تک بدستور چلتا رہا ہے دیکھا ہے، اگر
وہ کسی سے دعوت کا پندہ مانع نہ ہو جائے اور اسے اپنی دعا کا یقین دلاتا ہے تو اس کی تہ میں حرص و ہوس
موجود ہوتی ہے۔ دوسروں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اگر قرعہ رشتے ہوں تو ان
سے بھی بھی ملو کہ حرص و ہوا رکھتا ہے۔ انسان تو انسان اللہ اور اس کے رسول کے ناموں کو اپنے ذہنی
مخاطبات کی حد تک استعمال کرنے میں مصروف نظر آتا ہے۔ اپنے بزرگوں اور روحانی ہتھیارات کی

دینی خدمت اور ان کے ملی کارناموں کو ہر کھرب کیش کرتا ہے۔ مذہبی حقائق کی موجودہ گروہ بندیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، صرف ایک مسلک کی لڑائی کے حوالے سے مسلک لوگوں کی خدمات وصول کرتا ہے۔ دوسرے مسلک کی مخالفت کا طریقہ دین کر دینا نکالتا ہے۔ غرض ہر طرح اور ہر مقام سے کچھ نہ کچھ وصول کر لیتا اس کی فطرت میں شامل ہو گیا ہے۔ اگر انسان کی غرض مادی اور نفسانی کا بھی عالم ہوا تو حاکم اسلامی کی دینا چاہو کر دینے کی اور قرآن و سنت میں جس قیامت کے برہان پائے گا چاہا کر دیتا ہے، وہ کسی وقت بھی پورا ہو جائے گی۔ دھت کر دی اور قتل و غارت کا جو بازار آج عالمگیر حیثیت حاصل کر چکا ہے، اس کے پیچھے اسی جہل و اندھنی، مال کا رنگ کا فرما ہے۔ آخر ان تمام بیماریوں کا کوئی علاج بھی ہے، انہیں اس کا جواب ہے کہ پاکستان چلے کر ایک اسلامی مملکت ہے اور یہ مملکت قرآن و سنت کے خلاف کے حوالے سے معرض و جد میں آئی تھی، یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اس مملکت کے معرض و جد میں آئے کے بعد آج تک اس میں وہ قانون نافذ نہ ہو سکا، جس کے نام پر یہ مملکت بنی تھی۔ لہذا حکومت وقت ہمیشہ مسلمان یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس مملکت میں فوری طور پر قرآن و سنت کے احکام نہ صرف نافذ کرے، بلکہ انہیں مملکت کے قانون کا دھج بھی دے۔ اب کسی قسم کے طرد اور بھانڈ جڑی سے کام نہیں چلے گا، امریکہ ہو یا برطانیہ تمام غیر مسلم ممالک میں جب ان کا اپنا وضع کردہ قانون چل رہا ہے اور اس پر دنیا کے کسی ملک اور اس کے سربراہ کو کوئی اعتراض نہیں، تو ایک اسلامی مملکت میں قرآن و سنت کا نظام قائم کرنے پر دوسری اقوام کو اعتراض کیوں کر ہونا چاہئے۔ کسی صورت حال دیکھ کر یقین سے کیا جا سکتا ہے کہ ہماری مملکت کے وہ افراد جو آج کلیدی مناصب پر بیٹھے ہوئے ہیں، مغربی تعلیم اور اس کی تہذیب سے غیر معمولی طور پر متاثر ہیں، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کے بجائے لسی بہمنہ پر بادلوں کا خوف بیٹھا ہوا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کائنات کے سامنے ایک کزور ٹکے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔

کس بھولوں وہ بھی آید سہاراں راجہ شد

کوئی بھی میدانِ عمل میں سامنے نہیں آ رہا، آخر سواروں کو کیا ہو گیا۔ غلامانے نکست اپنی ہی کوشش کر رہے ہیں، چاہے ان کا کسی بھی مسلک سے تعلق ہو۔ قرآن و سنت کے عملی خلاف کے سلسلے میں تمام اہل ایمان پاکستان کو بغاوت قرنیہ مسلک ایک ہو جانا چاہئے۔ مشائخ عظام کو اس مقام میں علماء کا ساتھ دینا ضروری ہو گیا ہے۔ اپنے آپ کو حفاظتِ نظام تک محدود نہ رکھیں، بلکہ اطلاع و کھبر حق کی خاطر آواز بلند کریں، لوگوں کو اپنے مواقعِ حسنہ سے غیبت دلائیں، ان کے عقوبت کو گرا لیں، اپنی خداوند صلاحیتوں کو بروئے کار لائے کہ ان کو اپنی جہر و بکھر سے بھر دے اور کریں اور اسلام کی سچ تصویر ان کے سامنے پیش کریں۔ یہ خاموش بیٹھنے کا وقت نہیں، دین اس ہے یا خاموشی کے متعلق کل قیامت کو پوچھا جائے گا کہ تم لوگ اپنے اپنے مخالفات کے حصوں کی خاطر قہرے چال چاڑھ کر پڑے رہے، تمہارا گرم کرتے رہے۔ اپنی شان و شوکت دکھاتے رہے، ہماری خطا کردہ دوست و اقدار کے حق پرستے پریش و غصت کی زندگیاں بسر کرتے رہے۔ مگر جب میرے دین اور میرے قانون کے مقابلے میں مخالفی قانون نے سر اٹھایا تو تم نے پچ سنا لی۔ ان حقائق کا سامنا میں تم سب ہے جس کیوں بن گئے، تم سب کو سناپ کیوں ہو گیا۔ کھلم کھلا حق کیوں نہیں کہا، اپنی صلاحیتوں کو ہماری راہ میں پیش کیوں نہیں کیا۔ میرے اور میرے رسولؐ کے نام پر لوگ تمہاری عزت کرتے رہے، تمہیں ہماری ہر کم تر رائے پیش کرتے رہے، تمہارا غیر معمولی ادب و احترام بھلاتے رہے، تمہیں باغی حضرت قانون اور تصرفات کا مالک سمجھتے رہے۔ آج ان سب باتوں کا حساب لا، علماء و مشائخ کو بالخصوص یہ بات ذہن میں رکھنے کے ساتھ خدا ان پر عمل پیرا بھی ہونا چاہئے تاکہ تمام اللہ اس کی تقلید کریں اور آہستہ آہستہ من حیث اہل قوم لوگوں کے اندر اسلامی اقدار و شعائر کا احترام اور شعور پیدا ہو سکے اگر موجودہ دور کے علماء و مشائخ ملک میں خفا و شریعت کا جذبہ کر لیں اور بغاوت قرنیہ مسلک ایک پلٹے نظام پر منتج ہو جائیں تو کوئی طاقت ملک میں نظام شریعت کو نافذ ہونے سے نہیں روک سکتی۔ جو اسلامی مملکت اللہ، اس کے احکام اور اس کے رسولؐ کی شریعت کی ہاں دیتی تو عملات نافذ کرتی اور نہ تسلیم کرتی ہو، وہ اسلامی مملکت کہلانے کی مستحق ہے اور نہ اس کے سربراہ مسلمان کے دعویٰ

میں رہتے ہو سکتے ہیں کیوں کہ ایمان صرف زبان و دل کی قسم دینی ہی کا نام نہیں، بلکہ اسے حسبِ قدرت اپنے اور اپنی حدود و قصور میں نافذ کرنے کا نام بھی ہے۔ عقائد نے راشدین کا دور و مجلس اس کا سرچشمہ بن گئی ہے۔ اگر وہ اسی پر اکتفا کر لیتے کہ ہم نے رسولِ خدا کی معیت میں برسوں گزارے ہیں، ہمیں درجہ صوفیہ بھی حاصل ہے۔ ہمارے لیے رضی اللہ عنہم درمیانِ نبی و امت قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہمارے اور ہمارے دور حکومت کے لیے رسولِ خدا کی واضح بشارت احادیث کی صورت میں پائی جاتی ہیں۔ ہمیں شریعتِ محمدیہ کو عملاً نافذ کرنے اور امتِ دان کے دینی دہانوں میں وقت گزارنے اور اپنی جان کو مصیبت کے حوالے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر انہوں نے ایسا سوچا بھی نہیں۔ اپنی ساری منصوص فضیلتوں اور خدا داد مقامات و مراتب کے باوجود نہ صرف یہ کہ اللہ و رسول کا قانون اپنی ذریعہ تعریف زمین پر عملی طور پر نافذ و رائج کیا، بلکہ یہاں تک تکمیل اللہ بھی مشکل ترین منازل سے بھی گزرتے رہے، دوسری اقوام کو اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دیتے رہے، شعائرِ اسلامی کی حرمت و حرمت کا تادم درست پاس بھی فرماتے رہے۔ اللہ و رسول کی شریعت کے خلاف کے لیے بڑی بڑی طاعنوں سے لڑ بھی لی۔ طرح طرح کی مصیبتیں بھی جھیلیں۔ ضرورت کی زندگی بھی گزاری، بچھائی و نجات داری سے وقت گزرا، دینی سلطنت اور سربراہی مملکت اسلامیہ ہونے کے باوجود عام آدمی کے دامن کن کو اپنا پایا، پھر برہمہ اللہ تعالیٰ سے خائف رہے اور اپنا ہر برہم قدم پھونک پھونک کر رکھا تا کہ مصلحتِ مستقیم کسی قیمت ان سے نہ چھوٹ سکے۔ اگر عقائد نے راشدین جیسی فقید المثال بہتیاں اور عظیم جہاتِ مسلمان ہونے کے ساتھ خود کو نفاذِ شریعت کے سلسلے میں خدا اللہ جواب دہ سمجھی ہیں تو آج کا دور کو نہ اس سربراہی مملکت یا اسلامی حکومت ہے، ہر ماوراءِ پردہ آزاد و کمر قیامت کی باز پرس سے خود کو مستثنیٰ خیال کر سکتی ہے۔

یہ کیسی اسلامی مملکت ہے کہ جس میں آج تک اگر یہ قانون چل رہا ہے۔ قرآن مجید کے نزدیک وہ صحابہ کرام ایمان جماسے اندر اللہ کے قانون کو نافذ نہ کریں، وہ اپنے دیم کے مطابق تو مؤمن ہوں گے، مگر اللہ کے نزدیک مؤمنین میں نہیں، ظاہر ہے کہ جب وہ خود مؤمن نہ ہوں تو

جس ملک میں وہ سانس لے رہے ہیں، اسلامی ملک کیسے کہا سکتا ہے۔ قرآن مجید کے اس فیصلے کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ فَتْيِكَ
يُزْعِمُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى الْغُلَاظِ وَقَدْ أَمَرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ .

”اے میرے رسول کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خیال کرتے ہیں کہ وہ آپ پر اور آپ سے پہلے نازل شدہ احکام پر ایمان لے آئے اور اپنے لوگ اپنے فیصلے طاعت کی طرف لے جاتے ہیں، حالانکہ ان کو طاعت کے انکار کا حکم دیا گیا۔“

گویا کیسی مملکت اور ایسے مدعیانِ ایمان قرآن مجید کے نزدیک مؤمن نہیں، ہاں اگر اپنے خیال میں اپنے آپ کو مسلمان اور مملکت کو اسلامی مملکت سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں۔ ایسے ایمان کا کیا فائدہ کہ جسے کائنات کا خالق ہی قبول نہ فرمائے یہ تو اپنے من مایاں ٹکھنے والی بات ہوئی تا۔

بہر حال یہ مادی دانشمندی مسئلہ کے لیے باجموع اور پاکستان میں بسنے والی امتِ محمدیہ کیلئے بالخصوص کوئی نگرہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی ہے جی، ہے عملی اور بہانہ خالی کا یہی عالم رہا تو قیامت کے دن اس کا لقمہ دار کوں بھرنے لایا جائے گا اور یہ کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے دربار میں کل کیا جواب دیں گے۔

آج ہمارے اسلامی معاشرے کی بے جیسی کا یہ عالم ہے کہ اس میں بسنے والے اپنے طبقے سے لے کر محتوط اور نیچے طبقات تک کا ہر فرد کسبِ معاش کی فکر میں ہے، جن کے پاس زندگی گزارنے کی بنیادی سہولتیں موجود نہیں ان کا کھانا رزق میں سرگرداں رہتا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ طبقات جو مال و دولت اور زندگی کی ضروری اور غیر ضروری سہولتوں سے مکمل طور پر بہرہ ور ہیں، انہوں نے یہ ہے کہ وہ ضرورت مندوں سے کہیں زیادہ دنیا کا منہ کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس میں دینی و دنیوی اور روحانی مناصب سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی دنیا داروں کے شانہ بشانہ چلتے نظر آتے ہیں۔ الہامی اشارہ کوئی نفاذ کیا ہوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ آج مسلمانوں کے تمام طبقات اور جملہ مسالک مشہور و معلوم کے انکسار پر درہدیہ ہیں کہ سخت کے مطابق لازمی رکھنا علماء و باعزما، مساک

استعمال کرنا فرض ملان ملان کرنا مسعود رسول ہے اور ان کا تارک گناہ گار اور مافوق واقعہ ہے۔ کیا ان تمام الجراح مسقط کے مدعیان نے بھی اس پر عمل کر کے دکھایا کہ حزب دین کا ترک کرنا بھی مسقط میں داخل ہے، مدت حق روپے پکانے کے پتھر میں ہلکان نہ ہوتا بھی مسقط ہے، خود شہادت قضاویہ کو چھوڑ کر نہ بھی مسقط ہے۔ سو نہ کھانا بھی مسقط ہے۔ بیانی اور مساکین کا مال غصب نہ کرنا بھی مسقط ہے۔ کسی کی زمین پر نا جائز قبضہ نہ کرنا بھی مسقط ہے، پڑوسیوں کے حقوق کا لحاظ رکھنا بھی مسقط ہے۔ روپے پتھروں کا جمع نہ کرنا بھی مسقط ہے، چائیا دی نہ بنانا بھی مسقط ہے۔ علاوہ ازیں علاوہ قرآن مجید کرنا اور اس کے مطالب تک رسائی حاصل کرنا بھی مسقط ہے۔ نماز، روزہ کی پابندی بھی مسقط ہے۔ بکرا آخرت کرنا بھی مسقط ہے۔ موت کو بار رکھنا بھی مسقط ہے۔ جملہ حاجات اور مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا بھی مسقط ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے احکام کے معین مطابق اپنے عقائد کو بحال رکھنا اور ان سے سر مو ادر اور نہ ہونا قرآن و مسقط کا واضح حکم ہونے کے ساتھ ایمان کی شرط اولین بھی ہے۔ آج ہم مختلف مساک کے قسطن قسطن والے گرا اپنے اپنے عقائد کا عقائد رسالت آپ سے موازنہ کریں تو ہم پر ہمارے عقائد کی بے اعتدالیوں کی کل کر سامنے آسکتی ہیں۔ کیوں کہ قرآن مجید نے کسی بھی مسئلہ یا معاملہ میں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں ایمان والوں کو حکم دیا ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ كَمَا كُنتُمْ تُكَلِّمُونَ
اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے پیش کرو۔ وہاں جو حکم تمہیں ملے اس پر عمل کرو۔ مزید فرمایا:

قُلْ وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُخَرِّجُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا حکم ہے تمہارے رب کی (مدعیان ایمان)
اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافی معاملات کو آپ کے سامنے پیش نہ کریں،
پھر آپ کے صادر کردہ فیصلے پر اپنے دل میں کسی قسم کی جھگی بھی محسوس نہ کریں (یعنی اسے شہد و شانی

سے برسرِ چشم قبول کریں اور اس طرح اس فیصلے کو تسلیم کریں، جیسے تسلیم کرنے کا حق ہے۔ جب جا کر کہیں مومن کہلانے کے متحق ہو سکتے ہیں۔ مگر ان عقائد و مسائل کا قرآن و مسقط سے موازنہ کرنا عوام کے بس کا کام نہیں، کیوں کہ وہ علوم شرعہ کے ماہر ہوتے ہیں نہ عالم۔ یہ کام اہل علم کا ہے۔ چاہئے کہ ہر مسلک کا سربراہ عوام کے سامنے اپنے عقائد و مسائل کا قرآن و مسقط سے موازنہ کرے اور جو بات قرآن و مسقط کے مطابق نہ ہو، اس سے بیعت کا طرد بھی اعلان کرے اور اپنے عقائد میں کوئی آگاہ کرے اور جن جن مسائل کی جو جو باتیں اور جو جو عقائد اسے قرآن و مسقط کے معین مطابق نظر آئیں، ان کو جان و دل سے خود بھی تسلیم کرے اور عوام کے سامنے ان چیزوں کے برحق ہونے کا برا اظہار بھی کرے۔ اس عمل کے لیے التماس کا ہونا شرط اول ہے اور بیعت کی درجہ ضروری ہے۔ مگر مابیت پرستی اور نفسا نفسی کے اس نازک دور میں اتنی فرصت کے حاصل اور احاطہ کی محنت کیے صعب کہ وہ قرآن و مسقط سے آج کے عقائد و مسائل کے موازنہ کی شکل کو اپنے فتنہ سے بھی ہر ہے کہ ہر مسلک کے لوگ آگاہ نہ کیے ہوئے اپنے اپنے فکروں کے پیچھے چل رہے ہیں، کسی میں اپنی اختلافی جماعت بھی نہیں کہ وہ اپنے کسی عقیدہ کے خلاف ذہن میں اٹھنے والے سوال کو حل کر کسی کے سامنے پیش کر سکے، اس کی وجہ یہ خوف ہے کہ اس پر اپنے مسلک کی بقا و دوام کا اہم نہ لگادیں کہ یا دئی دوسرے کسی مسلک کا صوابان کیا ہے۔

اسی وجہ سے کسی مسلمانوں سے تلف مساک کی بھڑکی پک رہی ہے اور ہر مسلک نے اپنے ساتھ مسلمان ہونے کا لیبل لگایا ہوا ہے۔ اگر سارے مساک درست قرار دیے جائیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ مواضع قرآن و مسقط کے احکام و احکام میں اس قدر تضاد چھ مٹی دار۔ اس لیے یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ قرآن و مسقط کے کسی حکم میں کوئی تضاد نہیں، یہ تضاد واری کچھ اور اعداد و گھر میں ہے۔ تلف مساک کے اس حکم میں جب کہ ہر مسلک اپنی اپنی بولی بول رہا ہے، مجھے جو مسلک قرآن و مسقط کے نزدیک قریب نظر آیا یا محسوس ہوا، وہ اہل مسقط و الجماعت کا مسلک ہے، یہ بات میں قطعاً اس لیے نہیں کہ ہر با کھیرے آہ و اہوا کا اسی مسلک سے تعلق چلا آیا ہے۔ میں

آزاد طبع آدمی ہوں، قرآن و سنت کی کچھ کچھ بوجھ بھٹکھٹکائی مجھے بھی حاصل ہے۔ مجھے طویل عرصہ تک غور کرنے اور اہل اہلسنت والجماعت کے عقائد و مسائل کے قرآن و سنت سے موازنہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ دینائے اسلام میں اگر افراد و فرقے یا جماعتوں کوئی مسلک ہے تو وہ اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔ میں اسی طبعی مزاجین و دلائل کی دنیا کے حوالے سے اتنے اثر و بیگ طبعی حکمتوں کا قائل ہوں اگر سوال یہ کیا جائے کہ اتنے فقہ میں بھی بڑوں مسائل مختلف ہیں جسے سب جم کر کو بیچ اور کس کو قطع قرار دیں۔ تو اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ اتنے فقہ کا بھی اختلاف بعض فروعی مسائل میں ہے وہ امور جو دین کے اصول کا وجہ دیکھتے ہیں، ان میں سب شخصیں اور مکتبہ جن فروعی مسائل میں ان کا بھی اختلاف ہے وہ بھی محض اپنی اپنی دکانیں چکانے اور ملت میں تفریق ڈالنے کی بنا پر ہرگز نہیں، بلکہ دلائل کی بنا پر ہے۔ اس کے باوجود وہ ایک دوسرے پر بخیر و خیریت کے فتوے دگانے کے قائل نہیں، بلکہ چاروں اتنے فقہ بعض امور میں اختلاف کے باوجود بھی احرام کے قائل ہیں اور ایک دوسرے کو اہل سنت میں شمار کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہیں صہد رسالت سے قرب حاصل تھا۔ ان میں سے بعض نے صحابہ اور بعض نے تابعین و مرجع تابعین کے نہ صرف عہد کو پایا بلکہ ان سے علوم و فنون کا آسباب بھی کیا۔ اپنی اعتبار سے ہر لوگ اپنی مضبوط و بانغ نظر اور قرآن و سنت سے متعلق جملہ علوم و فنون پر کئی و محسوس رکھتے تھے۔ نہ بددھوی، بے قسمی، بے دینی، ترک دنیا اور ترک حرم و دھارین کا شعار تھا۔ اسلامی علوم کی تکمیل کے لیے وہ دہلا کے ستران کا دستور تھا۔ کھڑی اور تزکیہ نفس کے سبب ان کے قلوب آئینوں کی طرح عفاف تھے۔ قلمانی خواہشات اور ہوس دنیا سے ان کے دامن پاک تھے۔ انہوں نے وہ چہرے دیکھے اور ان قدر کی صفات عظیم انسانوں کی مجتہدین اہل انہیں جس جہم قوم لا یشفقن جلیسہم کا صدق ائمہ تھے۔ اس لیے اگر آج کا کوئی مذہبی اعتماد اپنے آپ کو ان پر قیاس کرتے ہوئے دروازہ امتداد کھول کر بندہ جائے اور خود کو حجت کا اہل سنت کہے یا کہنا شروع کرے تو بلاشبہ اس کا یہ عمل اہل دین کے نزدیک درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر ان کی تقلید کی روشنی میں جدید مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرے اور ان کی محنتوں کا لحاظ بھی

رکھے تو اہل علم اس کی ضرورت قدر کریں گے آج کا وہ طبقہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی تقلید کو ضروری نہیں سمجھتا، بلکہ لوگوں کو بھی ان کی تقلید و اتباع سے روکتا ہے وہ شدید قلعی ہے۔ اگر اس غیر معتد طبقہ کے پاس اتنا علم ہے تو میدان عمل میں ذرا اثر کران مسائل کا دلائل کے ساتھ روشنی کرے جن مسائل کو اتنے اثر و بیگ نے قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں حل کیا ہے۔ محض کسی کی مخالفت کرنا اور بات سے دور دلائل سے روکنا اور اپنی بات کو دلائل قطعہ کی روشنی میں ثابت کرنا بالکل اور بات ہے۔

جس زمانے میں ہم "نور الانوار" سنا پڑتے تھے تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درمیان اختلافی مسائل پر فریقین کے قائم کردہ دلائل کو کچھ کر جبران ہو جاتے تھے اور اکثر مسائل میں جب امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے دلائل کا امام شافعی اور ان کے اصحاب کے دلائل پر ملاحظہ دیکھتے تو امام ابوحنیفہ کی طبعی عقلیتیں دل میں حیرت پھاڑیں ہو جاتی تھیں۔ جن لوگوں نے علم سے بے رغبتی اور دنیا کی طرف رجعت کے سبب ہمارے ان اکابر اہل سنت کے دلائل و براہین کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور باقاعدہ ان کے اصول کی خاطر کسی ماہر امتداد کے سامنے زانوئے خضوع ہی نہ نہیں کیا، ان کو کیا خبر کہ امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کے مقامات و اجتہاد اور ان کی بصیرت طبعی کی بلندیاں کیا ہیں۔

جہاں عارف جاتی۔

سستی ہادہ متعلق دین مست میری

ادبی ایہ سے نہ شکای بھرا تا نہ جی

چوں کہ ہم نے اس مضمون کے ابتدائی ادبیاتی میں مال و دولت اور ہوس دنیا کے ترک پر قرآن و سنت کی روشنی میں کافی کچھ لکھا ہے۔ یہ بے دلائل ثابت کیا ہے کہ دنیا کی ہوس ہر مالی کی بڑ ہے۔ انسان جب تک ہوس دنیا کی دلدل سے نہیں نکلے گا کسی کار خیر کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے انسانوں میں آج جس قدر اور جس نوعیت کا اختلاف اور نفرت پائی جاتی ہے، علاج کرنے کے بعد اس سارے اختلاف اور نفرت کی بڑ دنیا کی ہوس اور مال و دولت کی منہب نکلے گی۔ جن خوش نصیب

لوگوں کو ہو گیا دنیا سے روٹنا ہونے والے مفاسد کا علم ہو گیا، وہ اس سے دامن کش ہو گئے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا محور مقاصد عالیہ کو بنا لیا، وہ علم دین کے حصول میں مصروف ہو گئے قرآن و سنت اور کائنات کے دوسرے علوم پر خون کے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کے علم میں وہ نام اور وہ مقام دیا کہ پہلی دولت بلکہ سلاطین وقت نے ان کے حقوق میں نقصان پہنچانے کے لیے باوجود فخر و مہابت سمجھا۔ علم و عمل کا یہ سلسلہ مولا علی سے چلا تو نسطار بعد نسل غرہ علی، و بعد ابوالیٰ اور میر علی تک پہنچ گیا۔ ان کے پاس دنیا کا مال و محتاج تو نہ تھا کیوں کہ اللہ نے اسے قرآن مجید میں متاع جلیل سے تیسیر فرمایا ہے۔ انہوں نے علم و حکمت کی دولت کو حاصل کرنے کی سعی فرمائی کیوں کہ اللہ نے قرآن میں حکمت کو تیسیر کثیر فرمایا ہے۔ اس میر کثیر کو اس طبقہ نے اس دافر مقدار میں حاصل کیا کہ اس کا نور و قیامت آنے والی نسل انسانی کے لیے کافی رہے گا۔ بقول میرزا امجد اللہ، بیادک۔

فیض الانست و آفتاب من مایہ نور

کہ بہر ذوق و غور شیدہ تمام تقسیم

کہ اگر میں کائنات کے ہر ہر ذرے کو درود و سورج بھی عطا کر دوں تو میرے فرائض نور میں موجود نور کا سراپہ قائم ہونے والا نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعین اولیاء اللہ اپنی ظاہری حیات میں بھی اسی فرائض علم کو ضیق خاص میں ان کی استعداد اور کچھ کہ تقسیم فرماتے رہے اور دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کے علمی فیض کا سلسلہ جاری و ساری ہے، جو قیامت تک جاری رہے گا۔ قاری کے مشہور استاد بابا غفاری نے ایک شعر کہا تھا جس کا تعلق اسی طبقہ عالیہ سے ہے فرماتے ہیں۔

مرد صاحب دلی رساء فیض و موت و حیات

شارع گل چوں شک کرد و وقت سرما آتش است

صاحب دلی یعنی اللہ کا دلی اپنی موت و حیات دونوں میں برابر فیض دیتا ہے۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھئے کہ پھول کی شاخ جب سبز ہو تو پھول بکھلتی ہے اور جب خشک ہو جائے تو سر دیوں

میں آگ کی صورت میں لوگوں کو نفع دیتی ہے، سب رہی یہ بات کہ یہ طبقہ اگر قبروں میں زندہ ہے تو پھر موت کا ان پر اطلاقی کیوں کیا گیا۔ اور ان کی حیات بعد الموت کی کتنی حد کیا ہے۔ یہ الگ موضوع ہے، جس پر بھی پھر کچھ لکھا جا سکتا ہے اور اسے بہ دلائل قطعیہ ثابت بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہاں میں اپنا ایک پنجابی شعر لکھ رہا ہوں اگرچہ اسے شرعی دلائل کا درجہ ہرگز حاصل نہیں مگر اتنا ہے کہ میں نے یہ شعر قرآن و سنت کے دلائل سائلہ اور برائین قطعہ کی روشنی میں کہا ہے، جسے میں وقت آنے اور ضرورت پڑنے پر ابن شہداء اللہ کا فیہا حیات بعد الموت کے سامنے ثابت کر سکتا ہوں عرض کیا ہے۔

سہ ذمہ فتنہ ولی قبروں دے اندر

لناتہ ایمین دہوے ہال دا اسے

اللہ تعالیٰ میں جس دنیا کی آفت سے محفوظ رکھے، حسد و بغض، کینہ و بددی اور پاکاری وغیرہ جملہ امور بکیر بھی ہمیشہ کے لیے مٹا دیں گے اور اپنے عباد صالحین اور اولیاء اللہ کے اسوا حسنہ پر چٹکی تو قلعی اور زانی فرمائے، کیوں کہ ہمارا عظیم ترین سرمایہ صرف قرآن و سنت، مگر اہل بیت و صحابہ اولیائے کرام اور فقہائے عظام کا اتباع و احرام ہے۔

من آچھ شرط بلاغ است یا قوی گویم

تو غمہ از غم چہ گیر غمہ غل

